شعرِ اُردو کی نسائی آواز میں مذہبی عناصر: پروین شاکر کا اختصاصی مطالعہ

(Religious Elements in Feminine Voice of Urdu Poetry: A Study of *Parveen Shākir*)

* **Prof. Sughra Rana**

** **Dr. Rukhsana Bibi**

Abstract

In the word of Urdu literature and poetry, women are seen creating masterpieces of literature beside men but poetic work of women failed to claim as much recognition as of male writers. Most of the part of Classical poetic work of women writers has been lost under the dust of time. Whatever poetic work of female poetesses, we find mentioned in classical poetic testimonies, is very short. It is because of the fact that bulk of women poetry is either spoiled or not considered up to the mark to be valued in male dominated society of that time. In spite of all these adverse circumstances, somehow female poetic tradition continued intermittently. It is also worth mentioning here that in a Muslim society where religion is the pivot of people, presentation of mysticism and religious elements in female poetic works is quite natural. That's why poetic works of elite class ladies as well as of prostitutes, is the depiction of religious thoughts but these elements are very bantam one. As the religious elements are the

* PhD Scholar Urdu AIOU, Islamabad/ Head of Urdu Department, Govt. Graduate College for Women, Dubai Mahal Road, Bahawalpur

** Assistant Professor of Urdu, GC Women University, Faisalabad

subject of very close association for human being, so their analysis is very necessary. That's why in poetic tradition of nineteenth century, these elements are seen very frequent. In poetic work of *Parveen Shākir*, one of the famous poetesses of modern time, these religious elements, attitudes and trends are seen but here these are permeated with universal thought of social, class, creed and humanity. In this paper poetic work of *Parveen Shākir* has been analyzed in connection to old female poetic tradition of classical era.

Key Words: Urdu poetry, religion, feminine voice, *Parveen Shākir*

تمہید

دیگر زبانوں کی طرح اردو شعری روایت میں بھی عورت نہ صرف مرد کے ساتھ ساتھ نظر آتی ہے، بلکہ شاعری کے زیادہ تر مضامین صنف نازک ہی سے متعلق ہوتے ہیں، مگر بد قسمتی سے ہمارے یہاں شاعرات کے کلام کو وہ اہمیت نہ ملی جو شعرا حضرات کے حصے میں آئی۔ کلاسیکی شاعرات کا کام بھی زمانے کی گرد تلے دب کر رہ گیا۔ اس کی وجہ بقول نجمی رحمانی یہی معلوم ہوتی ہے کہ عرصۂ دراز تک مشرقی سماج کا ڈھانچہ کچھ اس قسم کا رہا، جس میں عورت کو ایک دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا رہا۔ اس کی پسند و ناپسند اس کے خیالات اس کی فکر پر معاشرتی ضابطوں کو مسلط کیا جاتا رہا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی جو اُردو زبان وادب کی تاریخ میں عہد زریں کی حیثیت رکھتی ہے، میں ہمیں بحیثیت فنکار کسی خاتون کا ذکر نہیں ملتا۔ اس عہد میں کسی خاتون کا شاعر ہونا معیوب خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ خواتین کی شاعری کو تلف کر دیا جاتا تھا۔[1] اٹھارویں اور انیسویں صدی میں بے شمار تذکرے لکھے گئے، مگر انیسویں صدی کے وسط تک اُردو میں مشق سخن کرنے والی خواتین پر توجہ نہ دی گئی اور نہ ہی شاعرات کے الگ تذکرے مرتب ہوئے، البتہ بعض تذکروں میں ضمنی طور ان کا ذکر ملتا ہے۔[2] دیگر پہلوؤں سے متعلق شاعری کے ساتھ ساتھ قدیم شاعرات کی صوفیانہ و مذہبی عناصر سے متعلق شاعری بھی زمانے کی گرد تلے دب گئی، مگر مذہب چونکہ رگ جاں کے قریب کی شے ہے، لہٰذا ہمیں قدیم شاعرات کے ہاں اور بہ طور خاص انیسویں صدی کے وسط تک کی شاعرات کے یہاں یہ عناصر جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اس مضمون میں ہمارے پیش نظر قدیم شاعرات کے ہاں مذہبی عناصر کی روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے پروین شاکر، جو جدید اُردو شاعری کا اہم ترین نام ہے، کی شاعری میں مذہبی رویوں اور رجحانات کا مطالعہ ہے۔

[1] نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات (دہلی: بہارت آفسٹ پریس، 1994ء)، 7۔

[2] ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر، پاکستانی اہل قلم خواتین (اکادمی ادبیات پاکستان 2003ء)، 14۔

کلاسیکی عہد کی نسائی آواز میں مذہبی عناصر

ابتدائی کلاسیکی اُردو شاعری میں دو طبقے نظر آتے ہیں۔ ایک طبقۂ اشرافیہ اور دوسرا شاہدان بازاری یعنی طوائف خواتین کا طبقہ۔ پروین شاکر کی طرف آنے سے قبل ہم قدیم کلاسیکی عہد کی طبقہ طوائف اور طقبۂ اشرافیہ دونوں کے کلام میں مذہبی عناصر کا مطالعہ کریں گے۔

طبقۂ اشرافیہ

اس طبقے میں ابتدائی اُردو شاعرات میں جو نام سب سے مقدم حیثیت رکھتا ہے وہ زیب النساء مخفی کا ہے۔ شہزادی زیب النساء مخفی دختر اورنگ زیب عالمگیر کا شاعر ہونا کئی شہادتوں سے ثابت ہے، گارساں دتاسی نے بھی ان کا شاعرہ ہونا تسلیم کیا ہے۔[3] شاعرات اُردو میں زیب النساء مخفی کے تین مطلع ملتے ہیں، جن میں سے دو مطلع یہ ہیں:

جدا ہو مجھ سے میرا یار خدا نہ کرے
خدا کسی کے تئیں دوست جدا نہ کرے
آ کر ہماری لاش پر کیا یار کر چلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

یہ دونوں اشعار اس عہد کی کلاسیکی زبان کے غماز ہیں۔ نسائی لب و لہجے اور زبان کی شیرینی کے علاوہ دونوں شعروں میں مذہبی انداز فکر نمایاں ہے۔ اوّل شعر توکل باللہ اور دعائیہ لب و لہجہ رکھتا ہے، جب کہ دوسرا روز قیامت اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کی کے یقین کا غماز۔ مخفی کا دیوان اگر تلف نہ ہوتا تو قدیم روایت کا لطیف حصہ پڑھنے کو ملتا۔[4]

"بیگم" میر تقی میر کی صاحبزادی تھیں۔ یہ جوانی میں ہی، شادی کے چند روز بعد، انتقال کر گئی تھیں۔ میر کا یہ شعر اسی سانحے کی یادگار ہے:

اب آیا دھیان میں آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمھیں ہم بھولے تھے اسباب شادی میں[5]

بیگم کا کلام بھی اکثر ناپید ہے، مگر چند شعر شاعرات اُردو اور بہارستان ناز اور تذکرہ شمیم سخن میں درج ہیں۔ ایک مقطع ہے:

اس عشق کی ہمت کے میں صدقے ہوں کہ بیگم
ہر وقت مجھے مرنے پہ تیار تو رکھا[6]

[3] محمد جمیل احمد بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو (بریلی: قومی کتب خانہ، 1994ء)، 71۔

[4] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 148۔

[5] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 151۔

بیگم کے اس شعر میں عشق حقیقی و مجازی دونوں عناصر موجود ہیں مگر عشق الٰہی ہر وقت مرنے کے لیے تیار رہنے کی ایک ایسی کڑی ہے، جو صوفیانہ شاعری کے سلسلے میں ہمہ دم موجود ہے۔

"جینا بیگم" ولی عہد شاہ عالم کی اہلیہ اور مرزا بابر کی صاحبزادی شاعرانہ ذوق رکھتی تھیں اور مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتی تھیں۔ان کے اشعار میں سنبھالا ہوا عشقیہ انداز ملتا ہے۔[7] چند شعر:

یہ کس کے آتش غم نے جگر جلایا ہے
کہ تا فلک میرے شعلے نے سر اٹھایا ہے
یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا
دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا[8]

یہ اشعار صوفیانہ فکر پر مبنی اور بے ثباتیِ حیات کے ساتھ ساتھ عشق و مستی کی تڑپ کا جاندار نمونہ ہیں۔

"کاملہ بیگم جعفری" جو شاہ نصیر کی شاگرد تھیں، کے اشعار بھی بہارستان ناز اور شاعرات اُردو میں ملتے ہیں:

ساقیا مجھ کو تیرا ساغر پلانا یاد ہے
کاسئہ لاتقنطو سے دل چھکانا یاد ہے
جعفری کو ہے وسیلہ چاردہ معصوم کا
مرشد کامل کا بھی تجھ کو جتانا یاد ہے
محبت کے محل میں عشق جانباز رہتا ہے
نہیں خالہ کا گھر اس میں جو آئے جی چاہے
کہا منصور نے سولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے
یہ اس بام کا زینہ ہے آئے جس کا جی چاہے
غرور حسن پہ ہم سے وہ ناحق جھانج کرتا ہے
یہ نوبت چند روزہ ہے بجائے جس کا جی چاہے[9]

بقول نجمہ رحمانی یہ اشعار کاملہ بیگم کے صوفیانہ ذہن کی غمازی کرتے ہیں۔ کلام میں سلاست اور روانی ہے۔[10] مخصوص کلاسیکی رنگ میں رنگے ہوئے صوفیانہ خیالات سے مزین، اول ساقی عالمین سے امید و رجائیت کا پیکر، یاس اور ناامیدی

---

[6] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 152۔

[7] رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات، 18۔

[8] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 152۔

[9] فصیح الدین رنج، بہارستان ناز، تذکرہ اُردو کلاسیکی ادب (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1965ء)، 123۔

سے دور ہو جانا دوم چہاردہ معصومین یعنی آئمہ اکرام کو وسیلہ بنا کر علائم سے گزر جانا، مرشد کامل کی نصیحت کو یاد رکھنا، عشق کا محبت کے محل پر قابض ہو جانا عشق کی رموز کو جاننا اور پھر اس کی آزمائشوں کے لیے منصور کی طرح سولی پر جھول جانا، غرور حسن کو فنا کا احساس دلانا اور بے ثباتی کے اس ذکر سے دل کو تباہی سے بچانا، شاعرہ نے مذہبی فکر کے رموز کو شستگی سے بیان کیا ہے۔

"جمیعت" نامی خاتون بھی اپنے زمانے کی مشہور شاعرہ تھیں۔ قدیم تذکروں میں ان کا نام بھی نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں مجازی رنگ کے علاوہ پاکیزگی کا عنصر پایا جاتا ہے۔[11] ان کا درج ذیل شعر دیکھیے:

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے
کوئی نیکی نہ بن آئی اس کی شرمساری ہے

اس شعر میں فکری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ فنا کے احساس سے پھوٹنے والی بصیرت، خدا کے روبرو پیش ہونے پر ایمان، اپنے گناہ گار ہونے پر ندامت، سلسلہ ایمانی میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ زبان و بیان کی سادگی اپنی جگہ مسلم ہے۔

ایک شاعرہ "خاتون اختر" خاندان تیموریہ سے تعلق رکھتی تھیں، نواب اختر محل نام اور اختر تخلص کرتی تھیں۔ 1793 سے 1876 تک بقید حیات رہیں۔ نہایت ذہین طبع اور نیک مزاج تھیں۔[12] آپ کے کلام میں پختگی اور کہنہ مشقی پائی جاتی ہے۔ آپ کو نعت اور منقبت سے زیادہ شغف تھا، مثلاً:

تجھ پہ قربان ہوں اے ہاشمی مطلبی
کہ ہے مشہور دو عالم میں تیری عالی نسبی
دیکھ رتبہ کو تیرے شوکت افلاک دبی
مرحبا سیدی مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی[13]

درج بالا مخمس میں نعتیہ ذوق و شوق قادر الکلامی پر دال ہے۔ فارسی و اُردو کا خوبصورت امتزاج ان کے گہرے ادبی ذوق اور تاریخی مطالعے کا پتہ دیتا ہے۔ ایک بند دیکھیے:

تو ہے نیسان کرم اور سحاب اکرام
بھر دیا موتیوں سے دامن امید انام

---

[10] رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات، 19۔

[11] رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات، 20۔

[12] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 125۔

[13] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 160۔

بارآور تیرے باعث سے ہے نخل اسلام

نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام

زاں شدہ شہرہ آفاق بد شیریں رطبی

یہ بند قدیم کلاسیکی شعری روایت کا حسین کا نمونہ ہے۔ شاعرہ نے رسول پاک ﷺ کی حیات طیبہ کا بھرپور مطالعہ کیا ہے، جس کے باعث ان کی جود و سخا، رحمت اللعالمینی کا پورا پورا شعور ہے۔ اسلام کی کشتی کو اوج کمال پر پہنچانے والی ہستی اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔ شاعرہ نے نادر لفظیات اور تراکیب "نخل اسلام"، "بستان مدینہ"، "سرسبز مدام"، "شیریں رطبی" کے ذریعے حسن کلام اور مطالعہ کا بھرپور اظہار کیا ہے۔اس کا یقین اعلیٰ درجے پر فائز ہے وہ رسول پاک ﷺ کی شفاعت پر مکمل یقین رکھتی ہے۔ حشر کی سختیوں کو محسوس کرتی ہے اور تشنہ لبی اور آب حیات کا تضاد جانتی ہے۔ احساس فنا اور بے بسی کی کیفیت کو سمجھتی ہے۔ اس کا ڈکشن، تلمیحات، تراکیب، بڑے نعت گوؤں سے مقابلہ کر سکتی ہیں۔ وہ روانی، سلاست کے کلاسیکی انداز سے جڑی ہوئی خوبصورت نعت کہنے کا بھرپور ملکہ رکھتی ہے۔ایک بند دیکھیے:

سختی حشر سے جب گھبرائے گی مخلوقات

اور نہ بن آئے گی اے ابر کرم کوئی بھی بات

انبیا سب تجھے کہیں گے اے ابر نجات

ماہمہ تشنہ لباں نیم و توئی آب حیات

لطف فرما کہ زحد می گزد تشنہ لبی

"پارسا" نام کی شاعرہ مشہور شاعر مرزا محمد تقی خان ہوس کی صاحبزادی اور آصف الدولہ کی رشتہ دار تھیں، ان کے چند اشعار دستیاب ہو سکے ہیں: [14]

تن صورت احباب بنا اور بگڑ گیا

یہ قصر لاجواب بنا اور بگڑ گیا

چلتا نہیں ہے ابلق ایام ایک چال

اکثر یہ بد رکاب بنا اور بگڑ گیا[15]

شاعرہ نے زندگی کی وہ بے ثباتی کو، جو اکثر سلسلہ صوفیا کا درس ہے، خوبصورتی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اشہب زمانہ کی بدرکابی اور ابنائے زمانہ کی صورت، جس کا حوالہ ہمارے مذہبی معتقدات میں ہے، شاعرہ کے موئے قلم سے سلاست اور روانی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

---

[14] رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات، 20۔

[15] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 116۔

"شاہ جہان بیگم شیریں" اُردو کی ابتدائی شاعرات میں سے ہیں، جنھوں نے کلاسیکی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ 1275/1870 میں تخت پر جلوہ گر ہوئیں۔علوم حاضرہ سے واقف تھیں۔ خوش ذوق اور علم پرور خاتون تھیں۔ علمافضلا کی بہت قدر و منزلت کرتی تھیں۔ پہلا دیوان 1837 میں طبع ہوا تھا۔[16] ملہاری زبان پر قدرت رکھتی تھیں، اس لیے انداز ملہاری ہے۔ان کے کلام میں بھی صوفیانہ عناصر کی چاشنی موجود ہے:

آئی ہے ہوا سرد گھٹا اٹھتی ہے گھنگور
منگواؤ صراحی و مے و جام ہمارا
پہلی سی رکاوٹ نہیں اب ہے نظر لطف
آغاز سے بہتر ہوا انجام ہمارا
عرش تک جاتا تھا اب کان تک آتا نہیں
ہم نشینوں میرے نالے کے اثر کو کیا ہوا
لطف کیا پاؤ گے تنہا دل شیدا لے کر
دیکھیے سیر بھی کچھ یاس و تمنا لے کر[17]

بہارستان ناز میں فارسی شاعری نقل کی گئی ہے، جب کہ غزلیہ اشعار بھی موجود ہیں۔ شیریں نسائی رنگ میں مردانہ روایت سے جڑی ہوئی کلاسیکی فنکارہ تھیں، ان کے درج بالا کلام میں عشق و مستی کا خاص انداز جام و صراحی و مے کا برملا تذکرہ صوفیانہ انداز زندگی کے پیانے ہیں۔ صوفی اپنے آغاز کی بجائے انجام کی فکر کرتے ہیں۔ نالوں کا عرش تک جانا ایک خاص روایت مذہبی ہے۔ دل کا لطف و احساس کے ساتھ ساتھ سوز و گداز سے لبریز ہونا، یاس و تمنا کا معرکہ دل کے اندر برپا رہنا یہ سب صوفیانہ خیالات کے غماز ہیں ان کے ہاں فن شعر کمال کے درجے پر فائز ہے۔

موجودہ تحقیق کے مطابق اُردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز کا دیوان 1794ء میں مرتب ہوا۔ ان کا دیوان 184 غزلیات پر مشتمل ہے۔[18] تذکروں میں نہایت مختصر کلام موجود ہے۔ ان کا دیوان تلف ہو گیا۔ شاعرات اُردو میں ان کے بارے میں مرقوم ہے کہ اُردو و فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتی تھیں:

یہ طفل اشک میرے جس گھڑی مچلتے ہیں
تو پھر ہزار سنبھالے نہیں سنبھلتے ہیں[19]

---

[16] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 197۔

[17] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 198۔

[18] بشیر احمد بلوچ، "اُردو شاعری میں تانیثیت۔" (مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، بہاولپور: اسلامیہ یونیورسٹی، 2012ء)، 24۔

[19] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 199۔

بہارستان ناز میں یہ شعر بھی ہے:

یقین نہ واللیل پر کریں گے جو تیرے گیسو نہ دیکھ لیں گے
رہیں گے مصحف سے بلکہ منکر جو ہم تیرا رو نہ دیکھ لیں گے

اشکوں کو طفل شمار کرنا اور بچوں کی طرح مچلنے سے نہ روک سکنا۔ اگرچہ شاعرانہ بازیگری ہے۔ مگر آنکھوں میں اشک یاد محبوب، وہ محبوب حقیقی اور مجازی ہو سکتا ہے۔ مگر اشک بہانے کی عادت صوفیانہ طرز فکر کی علامت ہے۔ دوسرا شعر نعتیہ عقیدت مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ واللیل پر یقین نہ کرنا، گیسوئے خمدار محبوب خدا کو دیکھے بغیر مصحف عزیز پر ایمان نہ لانا، محبوب النبی ﷺ کی رخ پر نور دیکھے بغیر، یہ خوبصورت کنائے اور استعارے ایک گداز محبت رکھنے والی شاعرہ ہی بیان کر سکتی ہے۔[20]

طوائف شاعرات

1857ء سے پہلے دوسرا طبقہ طوائفوں کا ہے، جن کے ہاں مذہبی عناصر ملتے ہیں۔ تذکرہ شمیم سخن کے خالق عبدالحہ صفابدایونی کے مطابق جب ہم یہ تذکرہ لکھتے ہے تو باوجود کوشش بسیار کے کم عورتیں باعفت و عصمت شاعرہ نظر آئیں اور اکثر کو بازاری پایا، البتہ ہمیں خوشی ہے تو اس بات کی کہ بعض عورتیں موزوں طبع اور صاحب استعداد بھی ہیں۔[21] بہارستان ناز میں بھی طوائفوں کا کلام ملتا ہے، جب کہ شاعرات اُردو میں انھیں جگہ نہیں دی گئی۔

ابتدائی کلاسیکی روایت سے وابستہ تمام شاعرات میں سے سب سے نمایاں اور اہم نام ماہ لقابائی چندا(1768ء-1824ء) کا ہے۔ ماہ لقا بائی چندا کا اصل نام چندہ بائی یا چندہ اور خطاب ماہ لقا تھا۔[22] ان کا دیوان 1798ء میں مرتب ہوا۔ انھیں اردو زبان کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ کہا گیا ہے۔ چندا نہایت ذی علم، علم الکلام کی ماہر، علم موسیقی میں طاق، تاریخ کا وسیع مطالعہ رکھتی تھی۔ نہایت سخی طبعیت اور بدلہ سنجی میں مشہور۔ غربا کی ہمدرد اور فن تعمیر کی دلدادہ تھی۔ محققین نے اسے خان ایمان کا شاگرد بتلایا ہے۔ چندا کے کلام میں سوائے غزل کے کوئی صنف شاعری شامل نہیں ہے۔ اس کی ہر غزل پانچ اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کے ذریعے اس نے پنجتن پاک سے حسنِ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ جملہ 135 غزلیں سات کو چھوڑ کر باقی تمام مقطعوں میں مدح حضرت علی کرم اللہ وجہ شریف، موجود ہے۔ چندا کے دیوان میں حروف تہجی کے ترتیب سے ردیف وار غزلیں مرتب کی گئی ہیں۔ پہلی غزل کا "حمدیہ" مطلع یہ ہے:

کیا طاقت ہے راہ حمد میں جو ہو زبان گویا
کہ یاں جز عجز و خاموشی نہیں ہے یک جہاں گویا

---

[20] رنج، بہارستان ناز، 197۔

[21] رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات، 23۔

[22] شفقت رضوی، دیوان ماہ لقابائی چندا (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1990ء)، 48۔

پورے جہان کا عاجز اور خاموش ہو جانا حیات فانی کی ناپائیداری کی دلیل بھی ہے اور شاعرہ کے مطالعہ مذہب کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ایک نعتیہ شعر دیکھیے :

نہ ہو نعت محمد ﷺ میں کسی سے محفل آرائی
بچار کھ ہرزہ گوئی سے زبان کوں شمع سناں گویا

حمدیہ شعر کے بعد نعتیہ شعر کا آغاز عشق رسول پاک ﷺ کا غماز ہے۔۔ایک اور شعر میں کہتی ہے :

بجز حق کے کوئی کب واقف وصف آئمہ ہو
رہا چندا فلک پر بھی یہ نقطہ نہاں گویا

اس شعر سے اس کی آئمہ اکرام سے وابستگی اور ان کے مقام و مرتبے سے آگہی کا پتہ چلتا ہے۔اس کے اشعار پوری طرح گواہ ہیں کہ وہ بزرگانِ دین سے خاص عقیدت رکھتی ہے۔ بقول شفقت رضوی تصوف اور معرفت کے مضامین بھی اس کی غزل کا حصہ ہیں کہیں اس کا انداز روایتی ہے تو کہیں جدت و انفرادیت کی جھلک۔[23] چند اشعار دیکھیے :

روز ازل جو جام محبت پلا دیا
سرخی رہی ہے آنکھوں میں اب تک خمار کی

ہماری چشم نے ایسا کمال پایا ہے
جدھر کو دیکھئے آتا ہے تو نظر ہم کو

عشق میں حق کے انا لحق کہہ رہا ہے بار بار
ہر مژہ ہر لخت دل اپنا نہیں منصور ہے

ادا شرط عبادت ہو سکے ہے کب بھلا اس کی
خودی کو اپنی جب بھولے خدا کی یاد کو پہنچے

ہر چند راہ عشق میں دل پائمال ہے
روز جزا میں رتبہ ہے اس انکسار کا

توحید خداوندی سے محبت کا جام پی لینا، عمر اسی سرمستی میں گزار دینا کیسا دلنوا اور جہاں گداز احساس ہے۔ جو ذات الٰہی سے معرفت کا نقطہ سمجھتے ہوں وہی ہر عالم میں اسی کا عالم دیکھتے ہیں۔ شاعرہ نے تصوف کے رموز کو کس خوبی کے ساتھ پیش کرتے ہوئے، مژہ اور دل کا منصور ہو جانا ایک کر دیا ہے۔ منصور خود ایک جاندار تلمیح ہے، جو اہلِ دل کے لیے حق کی بازگشت کا ایک پیمانہ ہے۔ شاعرہ نے خودی کو توحید خداوندی میں ضم کرنے کا ہنر بتایا ہے، ورنہ عبادت دکھاوے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ احساس فنا اور دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کرتی ہے، تو کہتی ہے :

---

[23] رضوی، دیوان ماہ لقابائی چندا، 16۔

گل کے ہونے کی توقع پہ جیئے بیٹھی ہے
ہر کلی جان کو مٹھی میں لیے بیٹھی ہے

چندا کی 125 میں سے سات کو چھوڑ کر تمام غزلیں مقطعوں میں مدح حضرت علی کرم اللہ وجہ رکھتی ہیں۔ دنیا و آخرت کی نیک نامی، عزت و شرف، حسن صورت و سیرت، مال دنیا و آخرت کا توشہ، وہ جو بھی مانگتی ہے، مولا علی کے تصدق سے مانگتی نظر آتی ہے۔ ان مقطعوں نے کلاسیکی عہد میں اسے سب سے منفرد بنا دیا ہے۔ کچھ مقطعے ملاحظہ ہوں:

عرض سرکار مرتضیٰؑ میں یہ ہے
پائے دو جہاں کا چندا آل
تحقیق کیا ہم نے بجز شاہ نجف کی
چندا کو تمنا نہیں واللہ کسی کی
چندا نے یا علی ولیؑ نام پر ترے
صدقے کیا ہے جان کو دل بھی نثار ہے [24]

بے نیازی اور توحید پرستی کی مثال دیکھیے:

کسی کو رتبہ جم کی کسی کو جام کی خواہش
مجھے ہے آستاں بوسی سے صبح و شام کی خواہش
سوائے بندگی رب نہیں کچھ مطلب دل
غرض اکرام سے مجھ کو نہ ہے انعام کی خواہش

فرقہ طوائفاں لکھنو سے متعلق ایک شاعرہ "شیریں جان" بھی خوش فکر اور نکتہ داں شاعرہ تھیں۔ بہارستان ناز میں فصیح الدین رنج نے ان کا کلام پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں توحید خداوندی اور توکل باللہ کے خوبصورت حوالے ملتے ہیں۔ مثلاً:

نہیں مسند تو کیا پرواہ خدا پر اپنا تکیہ ہے
فقیری میں بھی اے شیریں مزاج اپنا ہے شاہانہ [25]

مسند نہیں تو تکیہ موجود ہے اور ہمارا تکیہ تو صرف خدا پر ہے کیسے نکتے کی بات کی گئی ہے۔

"بدلا جان" نزاکت احساس کی حامل ہیں۔ بہارستان ناز میں ذکر ہے کہ بدلا تخلص، بدلا جان نام ہے۔ ان کے یہاں صوفیانہ مزاج کا سراغ ملتا ہے۔ وفاداری میں طاق ہیں، محبت و مروت میں شہرہ آفاق اور شاعرہ بھی فرد ہیں۔ [26]:

---

[24] رضوی، دیوان ماہ لقابائی چندا، 48۔

[25] رنج، بہارستان ناز، 115۔

[26] رنج، بہارستان ناز، 20۔

بہار آئی ہے پھر رنگ دل ناکام بدلا ہے
ہوا بدلی، مزاج بادہ و گلفام بدلا ہے
یقین ہے آج مے خوروں کی دعوت ہے کہ تو نے بھی
گھٹا کا آوداجوڑا چرخ نیلی فام بدلا ہے

شاعرہ نے شعری مزاج کی سادگی کے ذریعے بہار، دل ناکام اور بادہ و گلفام کی تراکیب استعمال کی ہیں، جو صوفیانہ مستی کا ایک رنگ ہے، پھر گردش ایام اور تقدیر کے فلسفے کو سادگی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

1857ء کے بعد قیام پاکستان تک کی شعری روایت میں مذہبی عناصر

اوپر ہم نے ابتدائی عہد کی کلاسیکی نسائی شاعری میں مذہبی و صوفیانہ عناصر کا جائزہ لیا۔ فنی لحاظ سے نہایت معیاری شاعری ہے، مگر موضوعاتی تقسیم کے ضمن میں کلام بہت قلیل ہے۔ 1857ء کے بعد قیام پاکستان تک کی روایت میں شعر کہنے والی خواتین کے یہاں زندگی کے مسائل اور اخلاقی مضامین کے ساتھ ساتھ مذہبی رنگ بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ ایک انقلابی دور تھا اور عورت کا ہاتھ قلم اور موضوعات پر مضبوط نظر آتا ہے۔ اس دور میں زاہدہ خاتون نزہت (1892ء-1922ء) ایک جاندار آواز بن کر ابھریں۔ ان کے موضوعات میں قومی و ملی اور اخلاقی شاعری، مذہبی شاعری، تصوف و فلسفہ وغیرہ شامل ہیں۔ ز-خ-ش نے جہاں عورتوں کو اسلامی شریعہ کے تحت حقوق حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے، وہیں عورتوں کو دین حقہ کے ساتھ مخلص اور امت محمدی ﷺ کے ساتھ اخلاص کا درس بھی دیا ہے۔ مثلاً:

آؤ وحدۃ کی امانت کو اٹھالیں مل کر
آؤ اسلام کی کشتی کو بچالیں مل کر[27]

معروف نظم "تصادم رواج و شرع" میں عورتوں کے حقوق شریعت کے مطابق محفوظ کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہے:

خود کام چاہتے ہیں کہ پائے رواج فتح
شرح محمدی ﷺ کو ہو ان میں شکست آج
رائج ہو زن کے ترکہ نہ ملنے کی رسم بد
ہو فیصلہ شریعت حقہ کا مسترد

محترمہ علامہ اقبال اور اکبر آلہ آبادی سے متاثر ہیں اخلاقی شاعری کے بلند درجے اور فنی لحاظ سے مشہور نام ہیں۔ ڈاکٹر فاطمہ حسن اپنے مقالے میں لکھتی ہیں کہ انھوں نے مذہب و شرع کے حوالے سے بھی اس بات کو اجاگر کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے خواتین کے سلسلے میں غلط رویہ اختیار کیا ہے۔[28]

---

[27] ز-خ-ش، نظم: مسدس آئینہ حرم، مشمولہ: شاعرات اُردو جمیل احمد بریلوی، (1944ء)، 430۔

[28] ڈاکٹر فاطمہ حسن، ز-خ-ش کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (کراچی: انجمن ترقی اُردو، 2007ء)، 266۔

1857ء کے بعد کی شاعرات کے گروہ سے تعلق رکھنے والی ایک شاعرہ "سعیدہ جہاں مخفی" ہیں۔ وہ جناب زہرہؓ کے صبر و قرار، ہمت و حوصلہ کا واسطہ دے کر خواتین کو حقوق حاصل کرنے کی ترغیب دیتی نظر آتی ہیں:

فاطمہ زہراؑ کے دلدوز تحمّل کی قسم
گنبد چرخ کو ایک بار تو لرزاں کر دیں
جبر اور ظلم کی بنیاد کو ڈھا کر بہنو

"رسول جہاں بیگم" 1903ء سماجی و سیاسی اور مذہبی اصلاح کا کام بذریعہ شعر ان کا مطمح نظر تھا۔ عروس سخن کے نام سے مجموعہ کلام میں مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد دلاتے ہوئے غیرت ملی کا درس دیتی ہیں۔ آپ کے ہاں نعتیہ کلام کے شاندار نمونے ملتے ہیں۔ آپ کا دل طبقہ نسواں کی عام مظلومیت جہالت اور پستی پر بھی دکھا ہے۔[29] نعت نبی ﷺ کا نمونہ دیکھیے:

وہ مجسم رحم لیکن ظالموں پر سخت گیر
جس کی شان پاک میں آیا بشیر و نذیر
مالک کونین اور لذت کش شعیر
بہترین خلق لیکن بندہ رب قدیر[30]

شاعرہ علمی سطح پر قرآن و حیات طیبہ کی شناور ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے جذبات حقیقت کے غماز ہیں۔ نظم مغرب کے جانے والے میں شاعرہ نے روضۂ رسول پاک ﷺ پر جانے والے کے سامنے استغاثہ بلند کیا ہے:

آہ میں طاقت پرواز نہیں ہے نہ سہی
عشق میں جذب کا انداز نہیں ہے نہ سہی
نالہ تا بشر سے دمساز نہیں ہے نہ سہی
دل تجلی سے سرفراز نہیں ہے نہ سہی
میری شب کرنے کو مانند سحر لیتا جا
تو سلام تقنیدہ جگر لیتا جا[31]

اسی طرح آپ نے نظم عورت سے خطاب اور غزلیات میں اصلاحی رنگ پیش کیا ہے۔ مثلاً:

بنایا عفت شرم و حیا کو پاسدار اپنا

---

[29] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 778۔

[30] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 783۔

[31] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 783۔

عمل پوشاک اور زیور رہا صبر وقرار اپنا
دکھایا عزم ہم نے معدن صدق وصفارہ کر
گزاری زندگی پابند آئین وفا رہ کر[32]

ان کی شاعری فنی لحاظ سے اعلیٰ ہے۔ علامہ اقبال علیہ رحمتہ اور فانی بدایونی کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

ان ابتدائی شاعرات میں ایک اہم نام "رابعہ پنہاں" کا ہے۔ وہ بھی حقوق نسواں کی پرچارک میں۔ رابعہ پنہاں جس طرح اُردو کی اعلیٰ پایہ کی شاعرہ ہیں اس طرح فارسی زبان کی بھی غزل گو شاعرہ ہیں۔[33] رابعہ پنہاں سوز وگداز دورون خانہ الم کو شاعری میں پیش کرتی ہیں۔ ان کے ہاں متصوفانہ خیالات کا گداز جابجا نظر آتا ہے۔ مثلاً:

ہے آہ درد وسوز کی دنیا لیے ہوئے
طوفان اشک خون تمنا لیے ہوئے
آؤاب ہمت مردانہ کو حیراں کردیں[34]

جدید نسائی شاعری اور پروین شاکر

مذکورہ بالا دور کے بعد جدید شعری نسائی سفر کا آغاز ہوتا ہے، جس کا اوج پروین شاکر کی شاعری ہے۔ پروین شاکر نے اپنی شاعری میں مذہبی اور اخلاقی واصلاحی عناصر نہایت جدید طرز پر آفاقی سطح پر پیش کیے ہیں۔ ذیل کی سطور میں پروین شاکر کی شاعری میں مذہبی عناصر کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے:

وحی

خوشبو ہی کی ایک اور نظم "وحی" ہے۔ اس نظم میں شاعرہ نے وحی کی آمد کے سارے سلسلے کو شعری آہنگ میں ڈھال کر اپنے احساسات کو رقم کیا ہے:

پڑھو تم اپنے (عظیم) پروردگار کا نام لے کر
جو سب کو خلق کرتا ہے
جس نے انسان کو بنایا ہے منجمد خون سے
پڑھو کہ تمہارا پروردگار بہت کریم ہے
(اور) جس نے تم کو قلم سے تعلیم دی
اسی نے بتائیں آسمان کو وہ تمام باتیں

---

[32] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 786۔

[33] بریلوی، تذکرہ شاعرات اُردو، 57۔

[34] رحمانی، آزادی کے بعد اُردو شاعرات، 30۔

کہ جن کو وہ جانتا نہیں تھا[35]

سجدہ

"صد برگ" میں نظم "سجدہ" میں شاعرہ کی باطنی نفسی کیفیات کا اظہار ہے۔ سجدے میں من و تو کے درمیان بال سے باریک فاصلہ رہ جانا نیاز مندی کی انتہا ہے۔ سجدہ انسان کی ذات کی نفی اور مسجود کی ہستی کا کامل اثبات ہے۔ سجدے میں لمس جاں گداز کا وہ لمحہ جو قرب کی صورت اختیار کر جائے، حاصل کائنات ہے۔ شاعرہ نے اس مذہبی حوالے کا بڑا خوبصورت استعمال کیا ہے:

جسم کی چاہ میں
آتش لمس سے جب رگ جاں چٹخنے لگے
اور من و تو کے مابین
اک بال سے بڑھ کے باریک لمحہ بھی آخر بکھرنے لگے
اس سمے
صرف میری نگاہوں کا دکھ دیکھ کر
ہر طلب کی زبان کاٹ دینا
تمھاری بڑائی ہے[36]

شامِ غریباں

کربلا کی سرزمین نامہربان پر گیارہ محرم سے کائنات کے امیروں پر وہ بے سرو سامانی کی شام غریباں آئی، جو زندگی کے کرب کا ایک استعارہ ہے۔ ظلم و بربریت اور مظلومیت کا مقابلہ اس شام سے زیادہ کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ شاعرہ نے خون دل میں انگلیاں ڈبو کر "صد برگ" کی نظم "شام غریباں" میں مصرعے لکھے ہیں:

غنیم کی سرحدوں کے اندر
زمین نامہرباں پہ جنگل کے پاس ہی
شام پڑ چکی تھی
ہوا میں کچے گلاب جلنے کی کیفیت ہے
اور ان شگوفوں کی سبز خوشبو
جو اپنی نوخیزیوں کی پہلی رتوں میں

---

[35] پروین شاکر، خوشبو (اسلام آباد: مراد پبلی کیشنز، 2004ء)، 205۔

[36] شاکر، خوشبو، 105۔

رعنائی صلیب خزاں بنے
اور بہار کی جاگتی علامت ہوئے ابد تک [37]

علی مشکل کشا سے

"صد برگ" ہی کی ایک اور نظم "علی مشکل کشا سے" ہے۔ علی مشکل کشا سے مدد مانگنا دراصل اپنے اس یقین کی آبیاری ہے، جو شاعرہ کو اپنے اعتقادات کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ کہتی ہیں:

مولا!
یہ کیسا دکھ ہے
جس کی گرہیں تجھ سے بھی کھلنے نہیں پاتیں
تیرے نام کا جادو اب تک
کیسے کیسے سحر کو کاٹتا آیا
کہاں کہاں گرنے سے بچایا [38]

واوف بعہد ک

"صد برگ" کی ہی ایک اور نظم "واوف بعہد ک" ہے۔ امام عالی مقام اور کربلا دونوں ہی دنیا کے لیے حریت، انصاف، عدل، مساوات اور انسانیت کا استعارہ ہے۔ امام نے اپنے آخری الفاظ میں اپنا وعدہ پورا کر دینے کا اعلان فرمایا۔ وہ وعدہ جو خدا اور خدا کے رسول پاک ﷺ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ شاعرہ نے اس نظم میں کربلا برپا ہونے کے تمام تر مقاصد بیان کیے ہیں۔ امام عالی مقام کی تمام مساعی کا تذکرہ کیا ہے۔ امام کے ساتھ آنے والوں کا آدرش اور جان دینے کا مقصد جو وہ کربلا کی زمین پر لمحہ بہ لمحہ بیان کر رہے تھے، بتایا ہے۔ قربانی حسینؓ کا مقصد اور اس مقصد کا ساتھ دینے والوں کا جذبہ، مکمل یقین کے ساتھ شاعرہ کا بیان اس بات کا غماز ہے، کہ وہ کربلا کے درس کو زندگی کا درس سمجھتی ہے۔ کربلا جو انسانیت کی بقا اور حریت فکر کا استعارہ ہے۔ جس کا درس وفا اور سبق صرف خوفِ خدا ہے۔ اس طویل نظم میں امام عالی مقام کی آخری دن کی ساری مساعی کا تذکرہ ہے۔ اس عظیم قربانی اور قربانیوں کا تذکرہ جن کی مثال تا قیامت دی جاتی رہے گی۔ وہ وعدہ جس کی خاطر ذبحہ عظیم کی قربانی جاری ہوئی اور امام نے قیام فرمایا، اس کی تکمیل اور سرخ روئی مکمل سرشاری کے ساتھ شاعرہ نے بیان کی ہے:

تمام زخموں سے چور ہوں میں
مگر شہادت گہہ میں

---

[37] شاکر، خوشبو، 129۔

[38] شاکر، خوشبو، 133۔

لہو سے رسم وضو کی تکمیل کرنے سے قبل
اپنے سجدے کی مستجابی کی تہنیت مجھ کو مل چکی ہے
میرا یہ اعزاز کم نہیں ہے
کہ اتنے تیروں میں ایک بھی تیر وہ نہیں تھا
کہ جو کسی پشت سے نکالا گیا ہو
ہنگام عصر مقتل سے سرخرو ہوں
کہ میرے توشے میں جتنے وعدے تھے اتنے سر ہیں[39]

سلام

اپنے آخری مجموعہ کلام "کف آئینہ" کی آخری نظم "سلام" میں پروین نے امام عالی مقام کے حضور عقیدت اور محبت بھرا سلام پیش کیا ہے۔ان کے مقام و مرتبے کا تذکرہ اظہار اور ان کی مصیبتوں کے ذکر کے ساتھ انھیں یاد کرتے ہوئے اپنے جذبات واحساسات کا نذرانہ ان کے حضور پیش کیا ہے۔اس نظم میں شاعرہ نے اپنے عقیدے اور یقین کے پس منظر میں روایتی انداز کے ساتھ مصائب امام کا تذکرہ کیا ہے۔ جو بغیر چشم نم پڑھا نہیں جا سکتا۔ سوز و گداز حزن و ملال اور دکھ کی کیفیتوں کو مجسم کر دیا ہے:

گرچہ لکھی ہوئی تھی شہادت امام کی
لیکن میرے حسین نے حجت تمام کی
زینب کی بے ردائی نے سر میرا ڈھک دیا
آغاز صبح نو ہوئی وہ شام، شام کی
اک خواب خاص چشم محمد ﷺ میں تھا چھپا
تعبیر نور عین محمد ﷺ نے عام کی[40]

لیلتہ الصک

"خوشبو" میں موجود نظم "لیلتہ الصک" تقسیم مقسوم کے لیے مخصوص رات شاعرہ پورے تیقن کے ساتھ زندگی کے اسرار پر اس کے اثرات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہے یہ رات اپنے اندر کیسا طلسم رکھتی ہے۔ مسلم دنیا اس رات کو رتجگا کرتے ہوئے عبادت و دعا میں مشغول رہ کر یقین کا اظہار کرتی ہے:

ہمیں بزرگوں نے یہ بتایا کہ آج کی رات

---

[39] شاکر، خوشبو، 175۔

[40] شاکر، خوشبو، 116۔

آسمانوں میں زندگی اور موت کے فیصلے بھی انجام پا رہے ہیں
دعاؤں کی باریابیوں کا یہی سمے ہے
سو ہم نے اپنے دیے جلا کر
حیات تازہ کی آرزو کی [41]

حب الوطنی اور دردِ ملت

قوم وملت کی خدمت مذہب کا درس ہے اور فنکار کو اس کا شعور ضروری ہے۔ کسی وطن میں پیدا ہونا ایک عام بات ہے، مگر اس وطن کے بن کر رہنا ایک خاص بات ہے۔ اس خاص بات کو ثابت کرنے کے کچھ تقاضے فطری ہوتے ہیں اور کچھ تقاضے مادی سطح کے ہوتے ہیں۔ ان تقاضوں کو سمجھ کر بات کرنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں ہے، مگر پروین بڑی آہستگی کے ساتھ نرم کومل لہجے میں ایسی بات کرتی ہے کہ گویا کوئی بات ہی نہ ہو۔ مثلاً:

مٹی کی گواہی خون سے بڑھ کر
آئی ہے عجب گھڑی وفا پر
کس خاک کی کوکھ سے جنم لیں
آئے ہیں جو اپنے بیج کھو کر
کانٹا بھی یہاں کا برگ تر ہے
باہر کی کلی ببول تھوہر
قلموں سے لگے ہوئے شجر ہم
پل بھر میں ہوں کس طرح ثمر ور

پروین کا وجدان بہت زیرک ہے۔ طبع نہایت حساس ہے اور بیانیہ بہت پختہ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی غزل میں حب الوطنی ایک لہر کی صورت اختیار کر گئی ہے جو سارے سمندر سخن کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ اپنے ہنر کو، اپنی زیست کو اور تمام اہلِ وطن کی قابلیت و استعداد کو اس لیے اہم سمجھتی ہے کہ یہ وطن کی آبیاری کے کام آئیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر زندگی کے تمام ہنر بے معنی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً شعر دیکھیے:

پردیس میں سونا تھا تو چھت کس لیے ڈالی
باہر ہی نکلنا تھا تو گھر کس کے لیے تھا

[41] شاکر، خوشبو، 186۔

حب الوطنی انسانی خمیر کا حصہ ہے۔ جس مٹی سے انسان کا خمیر اٹھتا ہے اس کی محبت لازماً دل میں رہتی ہے۔ انسانی ہنر جو ودیعت خداوندی ہیں ان میں انسان کے آباؤاجداد اس کی تہذیب و ثقافت اور اس کے مقام و قیام کا رنگ نمایاں ہوتا ہے اور اگر اہل ہنر اس بات کو پہچان نہ پائیں تو پھر ہنر کی اپنی کوئی شناخت نہیں ہو سکتی:

جس خاک سے پھوٹا ہے اسی خاک کی خوشبو
پہچان نہ پایا تو ہنر کس کے لیے تھا
اے مادر گیتی تیری حیرت بھی بجا ہے
تیرے ہی نہ کام آیا تو سر کس کے لیے تھا

منفی رویوں کی مذمت

شاعرہ قوم وملت کے منفی رویوں پر نوحہ کناں ہے۔ کیونکہ افراد کے یہ اجتماعی رویے ملکی و قومی فکر کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا کرتے ہیں۔ جہاں انصاف سچائی اور وقار کی بولی لگتی ہو، جہاں اخلاق بک جائیں اور حرمت انصاف کا سودا ہو جائے وہ قوم اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ زوال آمادہ معاشرت اپنے ہونے کے امکان کو بھول جاتی ہے۔ اپنے خواب جلا دیتی ہے اور اپنے مقاصد بھلا دیتی ہے۔ ایسے میں ایک سچا فنکار اپنے مافی الضمیر کو بیان ضرور کرتا ہے۔ مثلاً

لہو جمنے سے پہلے خون بہا دے
یہاں انصاف سے قاتل بڑا ہے

قوم کے بدلتے ہوئے مزاج، زوال آمادہ معاشرت کے حالات، ٹوٹتی ہوئی روایات واقدار، نئی طرز بودوباش کی آمیزش، کائناتی حالات کا غلغلہ اور ملکی و ملی بے چارگی، بے بسی سب پر اس کی نظر ہے۔ شاعرہ اپنی غزل میں براہِ راست سیاست و سیاسی ہتھکنڈوں کا تذکرہ نہیں کرتی بلکہ بلیغ اشاروں کے ذریعے قومی وملی حالات پر شعری مباحث پیش کرتی ہے۔ ہمارے سیاسی و قومی حالات سن ستر کی دہائی اوّل ہی سے سخت مسائل کا شکار رہے ہیں۔ سیاسی چیرہ دستیاں عروج پر رہیں۔ ملک منفی رویوں اور مقتدر افراد کی منافقت کا شکار ہوا۔ شاعرہ نا صرف ذہین و فطین فرد ہے بلکہ نہایت سچی، بے باک اور حب الوطنی کے جذبے سے سرشار فنکارہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی غزل باطنی سطح پر ان تمام حالات سے متاثر ہوتے ہوئے سچی نمائندگی کا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔ مگر اس نے ان حالات کو علامتی پیرائے میں پیش کیا ہے۔ مثلا:

جدھر دیکھوں کھڑی ہے فصل گریہ
میرے شہروں میں آنسو بو گیا کون
ابھی تک بھائیوں میں دشمنی تھی
یہ ماں کے خون کا پیاسا ہو گیا کون

درج ذیل شعر میں مطلق العنان رویوں سے جو خوف پیش کیا گیا ہے، وہ خوف دراصل دل کا درد ہے جو لطیف رویوں اوراحساسات کی توہین کی صورت پیدا ہوتا ہے، ایسے معاشرے جہاں جذبات واحساسات کی قدر نہ کی جائے:

میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں میں نہ رکھے کوئی

معاشرتی ناانصافی سچے اور پرخلوص فنکاروں کو ہمیشہ خون کے آنسو رلاتی ہے۔ ہمارا ملک زرعی ملک ہے۔ زراعت ہمارا زیور اور کسان ہمارے ماتھے کا جھومر، کیسے المیہ کی بات ہے کہ کسان ہمیشہ محروم رہتا ہے اور زمین اس کی محرومی کا مداوا نہیں کر سکتی۔ بعض اوقات قدرتی آفات و بلیات کا موجب بھی بن جاتی ہے اور اکثر اوقات ہمارا نظام اس راہ میں رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ شاعرہ نے اشارۃً حب الوطن کے پیرائے میں اس دکھ کا اکثر اظہار کیا ہے۔ مثلاً:

بند باندھا ہے سروں کا مرے دہقانوں نے
اب مری فصل کو لے جائے گا سیلاب کہاں

غزل میں اخلاقی عناصر

شاعرہ کے ہاں ضمناً اور بلاواسطہ و بالواسطہ اخلاقی عناصر غزل کا حصہ ہیں۔ وہ شرافت، عجز و انکسار، وفا محبت، حیا، اخلاص، تشکر، ادب و احترام، بے غرضی، اخلاص، ضبط، سچائی، نیکی، بے نیازی، عزت نفس، دوستی، صبر و توکل، رحم صفائے باطن، رازداری، احسان اور محنت کی قائل ہے۔ انسان کی اخلاقیات اس کی معاشرت اور مذہبی عقائد مرتب کرتے ہیں۔ شاعرہ ایک وسیع المشرب زندہ دل، آزاد فکر اور توحید پسند مسلمان ہے۔ وہ اپنے رب سے پختہ تعلق کے باعث کسی بھی خاص انداز فکر کو روا رکھنے کی قائل نہیں ہے، مگر اس کے باوجود اس کی غزل میں اس کے اعتقادات چھلکتے نظر آتے ہیں۔ وہ مذہبی پس منظر رکھنے کے باوجود نہایت بے باک اور پر تیقن زندگی کی حامل ہے۔ اس کی غزل میں جہاں سچائی اور حق گوئی کا ڈیرہ ہے۔ وہاں دینی اور مذہبی بزرگان سے وابستگی کا پکا ثبوت بھی موجود ہے۔ وہ کسی بھی قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر اپنے یقین کا اظہار کرتی ہے۔

وفاداری

وفاداری چونکہ ایمان کا تقاضا ہے اس لیے اس کے اظہار کی سچائی میں پروین کے دل کا درد جھلکتا نظر آتا ہے۔ وفا و خلوص کے ضمن میں یہ درد گداز بن جاتا ہے۔ مثلاً:

تیرے سوا بھی کئی رنگ خوش نظر تھے مگر
جو تجھ کو دیکھ چکا ہو وہ اور کیا دیکھے [42]

وفاداری اور شرط استواری کے ساتھ ساتھ صفائے باطن کا ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

---

[42] پروین شاکر، ماہ تمام (اسلام آباد: مراد پبلی کیشنز، 1994)، 185۔

جدائی کا فیصلہ تو پھر بھی ہمارا ہوتا
یہ مان بھی لیں اگر کوئی درمیان میں تھا[43]

عزت نفس

عزت نفس کا احساس مومن کی شان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعرہ نے اسے اہمیت دی ہے۔ عزت نفس کا احساس شعری وجدان کے ذریعے اگر لفظوں کے پیمانے میں ڈھل جائے تو شاعری ہوتی ہے۔ یہ شعر دیکھیے:

عشق کو دریوزہ گری منظور نہیں
مانگنے پر آئے تو کاسۂ سر بھی ہے[44]

شرم وحیا

شرم وحیا انسانی معاشرے کے لیے باعث فخر ہے۔ مذہب میں اس کی بڑی قیمت ہے اور شرم وحیا ہمیشہ غزل میں رنگ دکھاتے نظر آئے ہیں، مگر جس پیرائے میں شاعرہ نے ان اخلاقی اقدار کا اظہار کیا ہے، وہ نہایت دل پذیر ہے۔ مثلاً:

تیری خوش نامی کا آتا ہے، بہت دل کو خیال
گریہ کرتے ہوئے آواز اگر کھینچتے ہیں[45]

جہد مسلسل

کوشش اور محنت کرنا اسلامی معاشرے کا طرہء امتیاز ہونا چاہیے کیونکہ محنت پسندی، سخت کوشی اور جہد مسلسل حیات کا سرنامہ کلام ہے۔ شاعرہ نے ان اخلاقی اقدار پر روایتا بھی اور نہایت خلوص کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ مثلاً:

راہ دشوار کی جو دھول نہیں ہو سکتے
ان کے ہاتھوں میں کبھی پھول نہیں ہو سکتے[46]

صبر وضبط

صبر وضبط کی اہمیت ہمارے مذہب اور رویوں کا خاصا ہے اس لیے شاعرہ نے اسے اہمیت دی ہے۔ صبر و ضبط جس قدر پروین کی طبعیت میں تھا اسی قدر اس کی غزل کا بھی حصہ ہے۔ مثلاً:

تمکنت سے تجھے رخصت تو کیا ہے لیکن
ہم سے ان آنکھوں کی حسرت نہیں دیکھی جاتی[47]

---

[43] شاکر، ماہ تمام، 185۔

[44] شاکر، ماہ تمام، 186۔

[45] شاکر، ماہ تمام، 188۔

[46] شاکر، ماہ تمام، 188۔

شرافت و نجابت

شرافت و نجابت کا زمانہ گزرتا جارہا ہے اور شاعرہ کو اس کا بے حد احساس ہے۔ اسی لیے تو کہتی ہیں:

شجرہ اہلِ درد کس سے ملے
شہر میں کون رہ گیا ہے نجیب[48]

عاجزی و انکساری

مذہب اسلام اور صوفیانہ زندگی میں اس وصف کی اہمیت اس لیے ہے کہ عاجزی و انکساری اثاثۂ حیات ہیں، مگر پروین کی کیفیات اس ضمن میں بھی جدا ہیں:

جز غبار راہ کچھ پیش نظر رکھا نہیں
ہم نے اپنے ساتھ اسباب سفر رکھا نہیں
ایک کوزہ، اک عصا، رگ خرقہ، گل کے سوا
ہم فقیروں نے کسی نعمت کو گھر رکھا نہیں[49]

دعائیہ لب ولہجہ

اسلامی فکر میں انسانی معرفت، ذات باری تعالیٰ تک رسائی یہ سب تائید خداوندی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ توحید کا سرچشمہ پروردگار کی ذات ہے۔ شاعرہ کے ہاں فکر توحیدی کا پرتو دعائیہ لب و لہجے میں خوبصورت طریقے سے بیان ہوا ہے۔ مثلاً:

اس طرح کھینچی ہے میرے گرد دیوار خبر
سارے دشمن روزنوں کو بے نظر اس نے کیا
مجھ میں بستے سارے سناٹوں کی لے اس نے بنی
پتھروں کے درمیان تھی، نغمہ گر اس نے کیا
یارب میرے سکوت کو نغمہ سرائی دے
زخم ہنر کو حوصلہ لب کشائی دے[50]

پروین کے ہاں دعا کا فلسفہ شعروں سے جھانکتا نظر آتا ہے۔ اسلامی فکر میں دعا کا ایک خاص مقام ہے۔ شاعرہ نے دعا کے فلسفے کو انوکھے انداز میں ضمناً بیان کیا ہے:

---

[47] شاکر، ماہ تمام، 189۔

[48] شاکر، ماہ تمام، 191۔

[49] شاکر، ماہ تمام، 190۔

[50] شاکر، ماہ تمام، 196۔

دعا اب چاہے بام عرش چھولے
تیرے در سے تو یہ ناکام آئی[51]
قبولیت کی ہے ساعت تو اس کو مانگ ہی لیں
کہ یہ گھڑی کبھی بار و گر نہیں آتی[52]

شاعرہ معاشرتی بد ذوقی کے المیہ سے گزرتی ہے، تو شکوہ سرا بھی ہوتی ہے مگر اپنے رب سے شکوہ کرتے ہوئے اس کا لب و لہجہ کس قدر معصومانہ ہے:

جب حرف ناشناس فہم
کیوں ذوق شعر دے کے تماشا کیا مجھے[53]

احساسِ موت

پروین کے ہاں موت کا تصور بھی بڑا انوکھا اور مشاہداتی ہے۔ وہ اپنے کانوں موت کی دھڑکن سنتی رہی ہے یا شاید موت اس سے آکر ملا کرتی ہو:

موت کا ذائقہ لکھنے کے لیے
چند لمحوں کو ذرا مر دیکھوں

خلاصۂ بحث

اردو شاعری میں مذہبی حوالوں کی رویت بہت قدیم ہے۔ ماہ لقا چند بائی کی شاعری سے شروع ہوئی ہوئی یہ روایت کئی ادوار سے گزرتی ہوئی پروین شاکر کی شاعری میں اوج کمال کو پہنچتی نظر آتی ہے۔ مذہبی افکار، رویے اور رجحانات کے امکانات جو پروین کے ہاں نظر آتے ہیں، وہ کہیں اور نسائی روایت کا باقاعدہ حصہ نظر نہیں آتے۔ پوری قدیم کلاسیکی روایت کا نقطۂ کمال پروین شاکر کی شاعری ہے، اور اس کی شاعری میں مذہب بین السطور بولتا نظر آتا ہے۔ وہ بظاہر وہ جدید دنیا کی نمائندہ شاعرہ ہے، مگر قدیم شعری روایت سے جڑی ہوئی ہے۔

---

[51] شاکر، ماہ تمام، 192۔

[52] شاکر، ماہ تمام، 193۔

[53] شاکر، ماہ تمام، 195